© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی، ملتان
معروف سکالر و مضمون نگار

بیسویں صدی اور مخزن علم و معرفت دار العلوم دیوبند

بیسویں صدی عیسوی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے استقبال کی تقریبات پاکستان میں اپنے اپنے طور پر شروع کی جا رہی ہیں۔ یہ مسئلہ غور طلب نہیں بلکہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ختم ہونے والا دن بیسویں صدی کا آخری دن نہیں ہے۔ اور یکم جنوری ۲۰۰۰ء کا دن اکیسویں صدی کا پہلا دن نہیں ہوگا بلکہ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کا دن اکیسویں صدی کا پہلا دن ہوگا۔ کثیر تعداد میں لوگوں کو اس بات کا صحیح طریقے سے احساس نہیں ہے۔ ذرا سوچئے تو بھلا کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۹۹ء کا دن انیسویں صدی کا آخری اور ۱۹۰۰ء کا پہلا دن بیسویں صدی عیسوی کا پہلا دن نہیں تھا۔ بلکہ یکم جنوری ۱۹۰۱ء سے بیسویں صدی کا آغاز ہوا تھا۔ لیکن آج کل کی طرح ذرائع ابلاغ کے فقدان کی وجہ سے اس بات کا شور و غوغہ نہ مچا۔

راقم الحروف ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو لندن میں تھا۔ وہاں کے مسلمان علماء و زعماء دین متین نے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ بیدار کرنے اور موثر طور پر تاریخی و عمرانیاتی پہلوؤں پر غور و فکر کیلئے پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ کہ ۲۰ نومبر ۱۹۷۰ء بروز منگل بمطابق سہ شنبہ یکم محرم الحرام کو نیا ہجری سال شروع ہو رہا ہے۔ جبکہ وہ دراصل چودھویں صدی کا آخری سال تھا اور پندرھویں ہجری کا پہلا سال نہیں تھا۔ جس کو غلطی سے لندن جیسے شہر میں بھی نئی صدی ہجری کا سال آغاز سمجھ لیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس بات پر وہاں کے جرائد و اخبارات میں بہت لے دے ہوئی۔ ہفت روزہ "ایٹ ڈیز" نے تو بڑی وضاحت سے لکھا۔ جسکا لب لباب یہ تھا کہ حقیقت میں پندرھویں صدی کا آغاز ایک سال بعد ہوگا۔ جب ہجری سال ۱۴۰۱ء شروع ہوگا۔ ایک اور اخبار "دی ٹائمز" نے بھی بڑے معنی خیز کالم شائع کیے تھے۔

بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اسلام کے عالمگیر اصولوں پر یقین و اعتقاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماہ نامہ "الحق" کی اشاعت خاص کا اہتمام کیا جو ان شاء اللہ فرزندان اسلام کے جذبات و احساسات کا غماز ہوگا۔ اور دشمنانِ اسلام کے عزائم اور منصوبوں کو بے نقاب کرنے میں ممد و معاون ثابت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنے والا نیا سال ۲۰۰۰ء بیسویں صدی کا آخری سال اور آنے والی اکیسویں صدی کا درمیانی وقفہ ہو گا۔ جو ہمیں بتائے گا کہ امت مسلمہ نے من حیث المجموع کیا کھویا اور کیا پایا۔ اسکے علاوہ فکر مند اذہان کو سوچنے پر مجبور کرے گا کہ اغیار ہمارے دین وملت کو ملیامیٹ کرنے کی سعی نابکار میں مصروف ہیں جن سے نبرد آزما ہونے کیلئے ہمیں کسی اعلیٰ فنی صلاحیت، فوجی طاقت، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، اصول وضوابط کی توضیحات وتصریحات کی تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔

انگریز حکمران ہندوستان میں تاجروں کے بھیس میں وارد ہوئے اور حکمران بن بیٹھے۔ یہ کام (Over night) ایک رات میں نہیں ہو گیا۔ اسوقت مسلمان حکمران اپنی حکومت کے آخری سانس لے رہے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغل شہنشاہ ناچ گانوں اور رنگ رلیوں میں شب وروز گزار رہے تھے۔ ادھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا جنرل منگلیسن اپنی مکارانہ کاروائیوں سے انگریزوں کے قدم جما رہا تھا۔ اقتدار حاصل کر کے میکالے جیسے عیار شخص نے تعلیمی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ دشمن اسلام لارڈ ابرٹس نے ایسی حرکات کیں جنھوں نے مسلمانوں کے جذبات مجروح کیئے۔ ہزاروں مسلمانوں کو پھانسی کے پھندے نصیب ہوئے۔ جن سے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنا شروع ہو گئی۔ ایسے نامساعد حالات میں اعلاء کلمۃ اللہ، مذہبی جذبات کے پیش نظر علماء دین کی ایک جماعت نے صدائے حق اور علم حریت بلند کر دیا۔ اس جماعت کے قائدین میں ایک ناقابل فراموش شخصیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کی بھی تھی جن کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

جب برصغیر میں انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہو چکا تو کچھ عرصہ کے اندر ہی فراست ایمانی کے طالبان میں ان کے افکار اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازشیں نمایاں ہونے لگیں۔ جب چند افراد نے مشورہ کیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تمدن۔ افکار ونظریات کی اشاعت و حفاظت میں مددگار ورہنما ثابت ہو سکے۔ ان الہامات غیب کے تحت دیوبند میں یہ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) قائم کیا گیا جسکے بارے میں علمائے دین متفق ہیں کہ قطعاً اشارات غیب وقوع پذیر ہوا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی روشن ضمیری سے شہر میرٹھ سے ملا محمودؒ کو بلوالیا۔ اور دیوبند کی مسجد چھتہ میں بٹھادیا۔ ملا محمودؒ علوم حدیث وفقہ کے فاضل استاد تھے۔ میرٹھ شہر میں مطبع ہاشمی میں ملازمت کرتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے انہیں اسی دن مسجد چھتہ میں لا بٹھایا۔ مدرسہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شاگرد اور معلم آمنے سامنے انار کے درخت کے نیچے بیٹھ کر پڑھتے رہے۔

ہر کس کہ باور سد بجائے برسد محمود رسید در مقام محمود

لطف کی بات یہ تھی کہ استاد کشفگان تسلیم و رضا کا نام بھی محمود تھا اور شاگرد رشید بھی محمود تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بعد میں حضرت مولانا محمود حسنؒ شیخ الہند بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ مابعد شاگردوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چند برسوں کے بعد جب طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا تو ضرورت ہوئی کہ مدرسہ کی اپنی کوئی عمارت ہونی چاہیے۔ لہٰذا جہاں آج دارالعلوم دیوبند کی وسیع عمارت واقع ہے وہ قطعہ اراضی حاصل کیا گیا۔ زمین مل گئی تو حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے زیر اہتمام اس عظیم عمارت کی بنیاد ڈالی گئی۔ ابھی بنیاد کھودنے کی جستجو ہی کی تھی کہ حضرت صاحبؒ کو خواب میں حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی کہ آپ نے اپنے عصائے مبارک سے زمین پر نشان لگایا کہ مجوزہ مدرسہ یہاں تک کشادہ ہونا چاہیے۔ آپ نے علی الصبح دیکھا تو زمین پر حضور کے عصائے مبارک کا نشان ہنوز لگا ہوا تھا۔ پس اس الہامی نشان پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم کرنے میں دیر نہ لگی۔ اس بنیاد کی پہلی اینٹ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ سے رکھوائی گئی۔

حضرت مولانا رفیع الدینؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ احاطہ موسری (دارالعلوم دیوبند) میں کنواں دودھ سے بھر گیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ حضرت صاحب ان چند اہل اللہ میں سے تھے جو اتباع اور روحانیت میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ آپ خواب میں دیکھتے ہیں کہ دودھ سے بھرے کنویں کی منڈیر پر حضور ﷺ تشریف فرما ہیں اور آنے والے کو پیالے سے دودھ بھر بھر کر عنایت فرما رہے ہیں لینے والوں کی قطاریں ہیں کوئی گھڑا بھر کر لے جارہا ہے کوئی ہانڈی میں کوئی پیالے میں الغرض جسکے پاس جو برتن ہے وہ اسمیں نہیں تو چلو میں ہی لے جارہا ہے۔ آنکھ کھلی تو منکشف ہوا کہ دارالعلوم کی مثال اس کنویں کی سی ہے اور بقدر ہمت و ظرف ہر آنے والا یہاں سے اپنا حصہ لے جارہا ہے۔

مولانا رفیع الدینؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کو مدرسہ کے بارے میں (Guidence) ہدایات غیب سے ملتی تھیں اور آپکے جملہ امور انہیں الہامات سے انجام پاتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ امی محض تھے لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ صرف اپنے ارشادات لکھواتے اور سن کر درست فرماتے۔ گویا احکام اہتمام عروض ماوریٰ تھے۔ یعنی انکے قلبی مضمرات کسی دنیاوی علم کے تابع نہ تھے --- حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بھی ان اکابرین میں سے تھے جن کا طریق کار احکامات، طرز تعلیم برائے دارالعلوم الغرض سب کچھ عالم اسباب سے زیادہ عالم غیب سے متعلق تھے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ گزشتہ ایک سو سال سے زائد عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں فضلاء و علماء جو اس مدرسے سے تربیت پاکر نکلے ان کا علم بھی محض رسمی و سطحی نہیں ہو سکتا جنہوں نے اس متبرک ماحول میں تربیت پاکر علوم واعمال کا اکتساب کیا جسمیں ناگزیر طریق سے معرفت و بصیرت شامل رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ ان نایاب اور مشک بیز علماء و محققین میں سے تھے جن میں صدق و عفت تفقہ اور مشکلات کا سامنا کرنے میں دین کی مضبوطی۔ اتباع سنت میں شریعت پر استقامت، حق کی وضاحت، بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ روشن ضمیری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بارے میں ایک دفعہ تحریر فرمایا کہ "آپ وہ شخص ہیں کہ جو اہل دل عارفین کے علوم کیساتھ ساتھ محدثین اور اہل ظواہر کے علوم میں بھی جامع تھے۔ اور جو علوم روایت کیساتھ ساتھ حیران کن تبحر کیساتھ فنون درایت میں بھی حیرت زا مہارت رکھتے تھے۔" حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے دو جلیل القدر وارث عالم، عالم فنا میں وجود میں آئے تھے۔ اور وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت محدث و فقیہ رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ یہاں علوم نبوت کی جو تعلیم و تدریس اور دعوت و اشاعت اور اس کے مطابق تربیت اور تزکیہ اس طبقہ کے حضرات مدظلہ سے ہوا اس کی مثال قرون متاخرہ میں شاذ ہی مل سکتی ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا ذوق گھر گھر پہنچا دینا انہی صاحبان کا صدقہ جاریہ ہے۔ دین متین کی خدمت کیلئے امت مسلمہ کی راہنمائی۔ قرآن و حدیث سے مسائل و احکام منضبط کئے جانے کیلئے جہاں اور کام ہوئے وہاں دارالافتاء کے قیام کا بھی یہی مقصد تھا۔ تاکہ دین محمدیؐ کی حفاظت بطریق احسن ہو سکے اور مسلمانوں کو لادینی گمراہیوں کی مسموم ہواؤں سے بچایا جاسکے۔ اس کام کیلئے ایسے شخص کی ضرورت پڑی جو اس عظیم منصب پر فائز ہو سکے۔ پہلے مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی پھر حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی افتا کی خدمت پر معمور رہے۔ لوگوں میں انکے حسن عمل علم و تفقہ کی وجہ سے زیادہ مقبولیت حاصل تھی دارالعلوم میں دارالافتا جہاں ایک طرف فتاویٰ ارسال کرنے کی خدمت انجام دیتا ہے وہاں ایسے افراد کی تعلیم تدریس و تربیت بھی کرتا ہے جو دیگر جوانب و اطراف پر افتاء کا کام بہ احسن انجام دے سکیں۔ دارالعلوم سے فارغ ممتاز و ذی فہم طلبا کا انتخاب کر کے ان کو اس اہم ترین کام کی تربیت دی جاتی ہے۔ چند نامور مفتیان اعلیٰ مقام کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمان عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی اعزاز علیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جنہوں نے افتاء کا گراں بہا کارنامہ عرصہ تلک انجام دیا۔

قیام پاکستان کے بعد دیوبندی علما کا علمی اور روحانی مرکز ہندوستان میں رہ گیا۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند سے قلبی و روحانی وابستگی کے باوجود پاکستان میں مختلف مقامات پر علمی مراکز قائم کئے گئے جہاں دارالعلوم دیوبند کے پرتو اب بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، جامعہ خیر المدارس ملتان۔ دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار، دارالعلوم کورنگی کراچی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈھاکہ اور راج شاہی میں درسگاہیں دیوبندی مکتب فکر کی علمی یادگاروں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف گو بوجوہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں رہا۔ مگر "نسبت ہے دور کی" کے مصداق اس گھرانے اور مقام سے تعلق رکھتا ہے جہاں دیوبند سے مشک بیز تجلیات وبرکات کے جھونکے جسم وجاں کو معطر کئے رکھتے تھے۔ یہ تعلق ایک خواب تھا جو شہر میرٹھ کہلاتا تھا۔ جو میرٹھ کمشنری کا صدر مقام تھا جس میں اضلاع میرٹھ۔ مظفر نگر اور سہارنپور شامل تھے۔ جہاں دیوبند تھانہ بھون، بلند شہر، کیرانہ، انبیٹھہ، گلاوٹھی خورجہ، ہاپوڑ جیسے مردم خیز قصبات موجود تھے۔ جو اب شہر بن چکے ہیں۔ ان مقامات میں تقریباً ہر جگہ میری دودھیالی اور ننھیالی عزیز داریاں تھیں۔ جناب مولوی محمد ہاشمؒ میرے دادا کے عم زاد تھے میرے والد انہیں تایا کہا کرتے تھے جنہوں نے میرٹھ میں مدرسہ العلوم شروع کیا۔ مابعد دارالعلوم دیوبند الحاق سے ہوگیا۔ مولانا سید بدر عالمؒ کا میرٹھ کے جید علماء محدثین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات سے دارالعلوم ہی نہیں بر صغیر مستفیض ہوا' وہ راقم الحروف کے نانا کے تایازاد تھے۔ والد صاحب کے ہمراہ بچپن میں ایک مرتبہ ۱۹۳۹ء میں سہارنپور جاتے ہوئے دیوبند میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ مسجد چھتہ میں نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد والد صاحب کسی بزرگ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے رہے معلوم ہوا کہ وہ بزرگ سہارنپور گئے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی چونکہ سہارنپور جانا تھا۔ شام کو وہاں پہنچے تو عشاء کی نماز مدرسہ مظاہر علوم میں ادائیگی کے بعد وہ بزرگ مل گئے۔ والد صاحب نہایت ادب سے بہت دیر گفتگو کرتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ نور دیدہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ اسکے علاوہ ۴۶ء میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے مسلم لیگ کے جلسوں میں میرٹھ میں دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور بہاولپور میں ۴۹ء میں آپکی نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میرٹھ سے ایسی ایسی نابغہ روزگار شخصیات کا تعلق رہا جنکی دین متین کی خدمات دارالعلوم دیوبند فراموش نہ کر سکے گا۔ جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا سید بدر عالمؒ مولانا قاضی زین العابدین سجاد، مولانا محمد منظور نعمانی مولانا عاشق الہیؒ مولانا عبد العلیؒ، مولانا محمد ہاشم کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے اولین معلم حضرت ملا محمودؒ نے مدتوں میرٹھ میں قیام کیا تھا ان سب کا براہ راست اور بالواسطہ تعلق دیوبند کے دارالعلوم سے تھا۔ انکے علاوہ سیکڑوں ایسے بھی ہونگے جنکے اسمائے گرامی تشہیر کے محتاج نہیں وہ حسب استطاعت وقابلیت تدریس وتصنیف، تربیت اور مسائل افتاء خاموش طریقوں پر انجام دے رہے ہونگے اور عالم غیب کے دفاتر میں منضبط ہیں چونکہ غیب کے ہی اشاروں پر انکی تعلیم وتربیت احسن طریقوں سے انجام پائی۔

© rasailojaraid.com